هو

۱۲۱

حج کا سفر

اور

عید قربان

☆☆ از ☆☆

الحاج ڈاکٹر نور علی تابندہ مجذوب علی شاہ

ھو

۱۲۱

یہ مقدس دستورات اور فرمائشات۔

قطبُ العارفین حضرت آقا الحاج ڈاکٹر

نور علی تابندہ مجذوب علی شاہ۔ قطبِ سلسلہ نعمت اللہی سلطان علی شاہی ۔ کے ارشادات ہیں ۔اُنہی کی اجازت اور رحمت سے یہ دستورات اور فرمائشات فارسی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کئے گئے ہیں۔اس ترجمہ کا حاصل یہ جو فقراء اور دیگر مومنین فارسی زبان نہیں جانتے ہوں وہ بھی ان دستورات کو سمجھ کر اُن پر عمل کرتے ہوئے اُن سے فیض پا سکیں۔ یہ ترجمہ کرتے وقت اس بات کے لئے کافی احتیاط برتی گئی کہ معنی حرف بہ حرف درست اور آسان اور شیریں اردو زبان میں ہو۔ تاکہ مومنین اکرام کو پڑھنے میں آسانی ہو۔ انشاء اللہ۔ مولائے فقراء اس ترجمہ کو قبول فرمائیں اور اپنی رحمتوں سے نوازے۔آمین

حیدرآباد۔دکن ، انڈیا۔

تاریخ : ۱۷/صفر ۱۴۲۳ھ مطابق یکم مئی ۲۰۰۲ء

حج کا سفر اور عید قربان (۱)

حج قریب آگیا ہے۔ کچھ لوگ حج کا ارادہ کر چکے ہیں اور کچھ لوگ انہیں خدا حافظ کہنے کے لئے آئے ہیں۔اسی سلسلے میں کچھ اہم باتیں عرض کر رہا ہوں۔

حج کے شرعی احکام رسالوں میں درج ہیں۔انکا مطالعہ کیجئے۔ان میں آپکے کئی سوالوں کے جوابات مل جائینگے۔احکام سے ہٹ کر بھی حج کا ہر عمل اپنے اندر ایک خاص مفہوم رکھتا ہے۔اس کی حقیقت کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اسکا اظہار عمل اور دلی احساس چاہتا ہے۔ان میں سے کچھ اعمال کی ادائیگی سے ایک خاص کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ کچھ اعمال سے حضرت ابراہیم (ع) حضرت اسمعیل (ع) اور ھاجرہ جیسے بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ان اعمال کے دو رخ ہیں۔ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ مثلاً ھَرْوَلہ (ڈورتے ہوئے چلنے کی کیفیت) یہ عمل اصل میں ہاجرہ کی یاد دہ تا ہے جب بچے کو پیاسا دیکھ کر انہوں نے دوڑتے اور چلتے ہوئے صفا اور مروہ کے سات چکر لگائے تھے۔یا بھیڑ کی قربانی۔یہ اس واقعے کی یاد دلاتی ہے جب حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کو قربان کرنے ہی والے تھے کہ خدا کی طرف سے ایک بھیڑ آگئی اور انہوں نے اسکی قربانی دی۔ کچھ حج کے اعمال ان واقعات کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ان میں سے ہر ایک میں ایک خاص مفہوم پوشیدہ ہے۔

(۱) یہ حضرت ڈاکٹر نور علی تابندہ مجذوب علی شاہ کے دو خطبات ہیں جو (۸۷۔۱۱۔۲۵ اور ۸۷۔۱۔۱۸ کو) حج اور عید قربان کے موقعے پر انہوں نے ارشاد فرمائے تھے۔انہیں شائع کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ خطابتی انداز بیان برقرار رہے۔ پہلے یہ دونوں خطبات بطور مقالہ رسالہ "ایران و عرفان" میں شائع ہوئے تھے جسکی تدوین ڈاکٹر سید مصطفی آزمائش نے کی تھی۔

حضرت سجادؑ نے اپنی ایک حدیث میں ان اعمال کے مطالب تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ مشہور شاعر ناصر خسرو نے جو مذھباً اسماعیلی شیعہ اور عرفانی شاعر تھے' اس حدیث کو نظم کیا ہے (۱) انکی شاعری میں صرف عرفانی مضامین ملتے ہیں۔

ناصر خسرو کا تعلق عیش و عشرت میں مصروف ایک باعزت اور دولتمند گھرانے سے تھا۔ چونکہ شاہی دربار میں عیش و عشرت کا دور دورہ تھا وہ دربار سے وابستہ ہو گئے۔ دربار میں فقہا اور روحانی علماء بھی آتے جاتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک صاحب ذوق اور باصلاحیت شخص ہے تو انہیں بار بار اس طرف متوجہ کیا کہ ان کی جگہ دربار میں نہیں ہے۔ بار بار کی تاکید سے انہوں نے دربار چھوڑا اور دینی و ظاہری علوم حاصل کرنے لگے۔ ان علوم میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کے باوجود ان کی تشنگی کم نہیں ہوئی تو ایک دن انہیں خواب میں مکہ جانے کی ہدایت ملی۔ وہ مکہ تشریف لے گئے اور وہاں جاکر فرقہ اسماعیلیہ میں شامل ہو گئے (۲)

---

(۱) ناصر خسرو نے ایک مفصل قصیدے میں اپنے طرز زندگی کو بیان کیا ہے۔ (۲) اسماعیلی اپنے آپ کو اسمٰعیل کا پیرو قرار دیتے ہیں۔ جو حضرت جعفر صادق کے عزیز ترین بیٹے تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے وہ بایزید بسطامی کی طرح تھے جنہیں حضرت کی طرف سے نمائندگی کی اجازت حاصل تھی۔ ائمہ طاہرین نمائندے مقرر کیا کرتے تھے۔ اسماعیل کو بھی حضرت صادق کی طرف سے نمائندگی کی اجازت تھی۔ کچھ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ اسماعیل میرا جانشین ہے۔ اسماعیل کی وفات پر حضرت نے انکے جنازے کو بہت دیر تک رہنے دیا۔ لوگ جمع ہوتے رہے۔ حضرت نے نماز جنازہ پڑھانے کے بعد بار بار انکا منہ کھولکر دیکھتے رہے تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ انکا انتقال ہو گیا ہے۔ کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ مرے نہیں زندہ رہے چونکہ سات کا عدد کمال رکھتا ہے وہ ساتویں امام ہیں' زندہ ہیں اور صاحب اولاد ہیں حضرت صادق کو حق نہ تھا کہ کسی اور کو اپنا جانشین مقرر کریں کیونکہ حکم الٰہی

ناصر خسرو نے ایک عرفانی قصیدے میں اس حدیث کو تفصیلاً بیان کیا ہے لکھتے ہیں حاجیوں کے قافلے شہر میں داخل ہو گئے۔ اس زمانے میں حاجی قافلوں میں سفر کرتے تھے یوں تو اب بھی ایسا ہوتا ہے مگر اس زمانے میں جان و مال کی سلامتی کے لئے قافلوں میں سفر کرنا ضروری تھا تاکہ چوروں اور ڈاکوؤں کے حملوں سے محفوظ رہیں۔ شہروں میں حاجی جمع ہوتے تھے اور جب اتنی تعداد ہو جاتی کہ قافلہ بن سکے تو مکے کی طرف سفر شروع کر دیتے تھے۔

ناصر خسرو کہتے ہیں کہ میں ایک حاجیوں کے قافلے کے استقبال کے لئے گیا۔ پرانے زمانے میں حاجیوں کے قافلے جب حج کر کے واپس آتے تھے تو حاجیوں کے رشتے داروں اور دوستوں کے علاوہ شہر کے دوسرے لوگ بھی استقبال کیا کرتے تھے۔

ناصر خسرو کہتے ہیں (اشعار)

(۱) حاجیوں کے قافلے میں میرا ایک عزیز اور مخلص دوست تھا۔

(۲) میں نے اس سے پوچھا' اس سفر میں تم تکلیفوں اور خوف سے کسطرح محفوظ رہے؟

(۳) مجھے خوشی ہے کہ تمہیں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ آج اس ملک میں تمہارے جیسا کوئی خوش نصیب نہیں۔

سے وہ یہ کام کر چکے تھے۔ اسے دوبارہ نہیں کیا جاسکتا اسماعیل نے اپنے نمائندے مقرر کئے تھے۔ جو صاحب عرفان ہونے کے ساتھ ساتھ عرفانی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے چونکہ ناصر خسرو کا تعلق بھی اسی سلسلے سے تھا اس لئے انکی تحریروں میں عرفانی رنگ جھلکتا ہے۔ (پچھلے صفحے کے حاشیے کا سلسلہ)

(۴)ذرا بیان تو کرو تم نے حرم شریف کا احترام کس طرح کیا؟

ناصر خسروں کا بیان ہے کہ انہوں نے دوست کی مزاج پرسی کی اور حالات دریافت کئے یہ پورا قصہ سوال وجواب کی صورت میں ہے۔انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ فلاں فلاں عمل جو تم نے ادا کئے انکا مطلب تمہاری سمجھ میں آیا؟ اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ پھر سوال کیا دوسرے اعمال کے بارے میں۔ اس نے یہی جواب دیا۔ الغرض جتنے سوال کئے اس نے جواب دیا نہیں۔ نہیں!

(۵) جب تم نے احرام باندھا تو کیا نیت کی۔؟

(۶)اللہ نے جن چیزوں سے منع کیا تھا' کیا تم نے اس پر عمل کیا۔؟

(۷) اس نے کہا نہیں۔میں نے پوچھا لبیک کہتے ہوئے اللہ کی بزرگی بیان کی۔؟

(۸) اور اس کے جواب میں حق کی آواز سنی۔؟اور اگر سنی تو موسیٰ کلیم اللہ کی طرح اس کا جواب دیا۔؟

(۹)۔(۱۰)جواب دیا' نہیں میں نے پوچھا عرفات میں قیام کے دوران کیا تم نے خدا کا عرفان حاصل کیا۔؟اور اپنے وجود سے انکار کیا۔؟

(۱۱)۔(۱۲)میں نے پوچھا' جب تم اصحاب کہف کی طرح حرم میں داخل ہوئے تو کیا تم اپنے نفس کے شر اور دوزخ کے عذاب کے ڈر سے محفوظ ہو چکے تھے۔؟

(۱۳)۔(۱۴) اس نے جواب دیا' نہیں۔میں نے پوچھا' شیطانوں پہ کنکر پھینکتے وقت کیا تم نے اپنے سبھی برے اعمال پھینک دئے کہ نہیں۔؟ اس نے جواب دیا' نہیں۔

(۱۵)-(۱۶)میں نے پوچھا' فقیروں اور یتیموں کے لئے بھیڑ قربان کرنے سے پہلے اپنے

بدکار نفس کو بھی قربان کر دیا کہ نہیں۔؟اس نے جواب دیا نہیں۔

(۱۷) ۔(۱۸)پوچھا' تمہیں مقام ابراہیم کی عظمت کا علم ہوا۔؟اور تم نے پوری عقیدت کے ساتھ وہاں سر جھکا دیا کہ نہیں؟اس نے کہا نہیں۔

(۱۹)۔(۲۰)میں نے پوچھا' طواف کرتے وقت عرش عظیم کا طواف کرنے والے فرشتے بھی یاد آئے۔؟اس نے کہا' نہیں۔

(۲۱)۔(۲۲) میں نے پوچھا' صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے وقت دل میں کونین کی صفا نظر آئی۔؟جنت کی تمنا اور دوزخ کا خوف جاتا رہا۔؟اس نے جواب دیا' نہیں۔

(۲۳)۔(۲۴) میں نے پوچھا' واپس آنے کے بعد کعبے کی جدائی سے تمہارا دل غمگین ہے کہ نہیں۔؟تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ وہیں موت آتی اور تم وہیں دفن ہو جاتے۔؟

(۲۵) اس نے کہا کہ جن چیزوں کے بارے میں آپ نے سوال پوچھے ہیں' انکے بارے میں صحیح اور غلط کیا ہے' میں نہیں جانتا۔

(۲۶)۔(۲۷ میں نے کہا' اے دوست پھر تم نے حج نہیں کیا۔اس مقام کی عظمت سے تمہارا دل ناواقف ہی رہا۔ مکے کا سفر بیکار ہو گیا۔ مفت میں سفر کی تکلیفیں برداشت کیں اور پیسہ ضائع کیا۔

گویا ناصر خسرو کے دوست نے روپیہ خرچ کر کے زحمتیں خرید لیں۔وہ صرف مکہ دیکھ کر لوٹ آیا۔آخر میں شاعر کہتا ہے کہ اگر پھر کبھی مکہ جانا ہو تو بالکل ایسے ہی کرنا جیسا کہ میں نے تمہیں سکھایا ہے۔

حج کا سب سے پہلا عمل احرام کا غُسل اور احرام باندھنا ہے۔ حج خدا کی طرف سے بندوں کو دی گئی ایک دعوت ہے۔ ایک حکایت ہے کہ کوئی شخص گاڑی پر سوار مکہ جارہا تھا۔ اس نے دیکھا ایک آدمی پیدل جارہا ہے۔ اُس نے آواز دی کہ گاڑی میں سوار ہو جاؤ۔ اس آدمی نے جواب دیا پیدل حج کو جانا بہتر ہے ۔ معلوم ہوا کہ اسکی مالی حیثیت اچھی نہ تھی۔ سوار نے کہا تو غلط کہہ رہا ہے۔ میرا حج تیرے حج سے زیادہ مقبول ہے کیونکہ میں ایسا مہمان ہوں جسے دعوت دے کر بلایا گیا ہے اور تو بغیر دعوت کے جارہا ہے۔ یعنی حج پر جانے کی استطاعت کا عطا ہونا بذات خود دعوت ہے۔ گویا حج میں اصل مقصود خدا کی طرف سے دعوت ہے۔ جب کسی انسان کو کہیں سے دعوت آتی ہے تو وہ کیا کرتا ہے؟ روزمرّہ کی زندگی میں جب کسی بزرگ کی دعوت میں جانا ہو یا کسی بڑی دعوت میں شرکت کرنا ہو تو آپ کیا کرتے ہیں؟ ظاہر ہے نہا دھوکر اچھے کپڑے پہن کر جاتے ہیں۔ یوں تو ہم ہمیشہ ہاتھ منہ دھوتے ہیں اگر یہی صفائی اللہ کے حکم کی تعمیل میں کی جائے تو اسے عبادت میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر وضو یا غسل کی نیت کئے بغیر ہاتھ منہ دھولئے جائیں یا سارے جسم پر پانی بہا دیا جائے تو یہ عمل وضو یا غسل نہیں کہلائے گا۔ جب تک خدا کا حکم بجالانے کی نیت نہیں کی جائیگی یہ عمل غسل یا وضو کے طور پر قبول نہیں ہوگا۔

حج کے دوران پروردگار ساری دنیا سے آئے ہوئے لوگوں کا میزبان ہوتا ہے۔ جس نے تمہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور تم اس میزبان سے ملنے جارہے ہو۔ ایسی دعوت میں شرکت کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پاک وصاف ہو جائیں اسکے بعد ہماری ساری توجہ اس مقام کی طرف ہونی چاہئیے جہاں دعوت

ہے تب انشاء اللہ قبولیت حاصل ہوگی اگر صاحب خانہ نے ہمیں قبول کرلیا تو ہماری خوش نصیبی کے کیا کہنے! اگر قبولیت حاصل نہ ہوئی تو ہمیں دی گئی دعوت بے کار اور ضائع ہو جائیگی۔ اس سفر میں ضروری ہے کہ ہم صاحب خانہ کی مرضی کے بغیر ہر چیز اپنے لئے حرام سمجھیں۔ یعنی احرام باندھ لیں۔ احرام سے جو چیزیں حرام ہو جاتی ہیں اسے خود پر حرام کرلیں۔ ناصر خسرو نے اپنی نظم میں اس شخص سے سوال کیا تھا کہ احرام باندھنے کے بعد کیا تم نے ہر چیز خود پر حرام کرلی تھی۔؟ اُس نے جواب دیا نہیں ' میں وہاں بھی اپنے بیوی بچوں اور کاروبار کی فکر کرتا رہا۔

الحمدللہ حج کے لئے مکہ جانا ایک خاص کیفیت رکھتا ہے میں نے خود تین مرتبہ حج سے مشرف ہوتے ہوئے اس کیفیت کا احساس کیا ہے کہ انسان وہاں خدا کے سوا ہر چیز فراموش کردیتا ہے۔ نیک اعمال سے ہٹ کر دنیا اس کی نگاہوں میں ہیچ ہو جاتی ہے۔

خدا قرآن میں فرماتا ہے "**وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ** "(۱) ہم نے آدم کی اولاد کو کرامت اور شرافت عطا کی۔ کرامت فضل سے جدا حیثیت رکھتی ہے۔ کرامت فطرت کا ایک حصہ ہے۔ اسکا مطلب ہے کہ خدا نے آدم کی اولاد کو شرافت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ "**فَضَّلْنَا** "یعنی وہ صفت جو اللہ کسی انسان کو دوسرے سے زیادہ عطا کرتا ہے' کسی کو دیتا ہے اور کسی کو نہیں دیتا۔ "**كَرَّمْنَا** " فطرت کا حصہ اور شخصی قابلیت ہے۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے۔ "**سَخَّرَ لَكُم مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ**۔"(۲) زمین وآسمان میں جو کچھ ہے' ہم نے

(۱) سورۂ اسراء۔ آیت۔ ۷۰ (۲) سورۂ جاثیہ۔ آیت۔ ۱۳

تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ دوسر جگہ ارشاد ہو تا ہے۔ " **سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمسَ والقمَرَ** "۔(۱) ہم نے چاند اور سورج کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ غرض انسان کا مقام بہت بلند ہے۔ایک اور جگہ ارشاد ہو تا ہے۔" **لَقَدْ خَلَقْنَا الانسانَ فی اَحسَنِ تَقویمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسفَلَ سافِلینَ الاَّ الّذِینَ آمَنو اوعَمِلو ا الصَّالحاتِ**" ۔(۲) انسان کو ہم نے بہترین صورت کے ساتھ اچھے موقعے پر پیدا کیا' اسکے بعد اہل ایمان کو چھوڑ کر سب کو اسفل السافلین میں پھینک دیا۔

کرمنا سے ہم کہیں مغرور نہ ہو جائیں۔ مقام بلند حاصل کرنے پر کہیں گھمنڈ کا جذبہ ہم پر طاری نہ ہو جائے اس لئے اللہ فرماتا ہے "اے انسانو" تمام مخلوقات' تم اور جاندار سب میری نگاہوں میں اس حرم کے علاقے کے اندر ایک ہو۔ اے انسان حرم کے علاقے میں تجھے ہرگز یہ حق نہیں کہ کسی حیوان کو مارے کہ وہ بھی جاندار ہے اور سب کو جان پیاری ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں میرے والد محترم نے مجھے ایک قصہ سنایا تھا۔ وہ شدید موسم گرما میں حج کے لئے گئے تھے انہیں احرام کے نیچے پاؤں پر شدید جلن کا احساس ہوا۔ احرام اُٹھا کر دیکھا تو پاؤں پر ایک جونک تھی۔ وہ یوں پلٹ کر بیٹھ گئے کہ پاؤں پر دھوپ پڑے۔ انہوں نے اس جونک سے کہا کہ تو اور میں یہاں خدا کی نظر میں ایک ہیں جس طرح دھوپ مجھ پر آرہی ہے اُس طرح بہتر ہے کہ تجھ پر بھی دھوپ پڑے۔ جیسے ہی دھوپ کی گرمی لگی وہ جونک پاؤں سے نیچے گر پڑی۔

---

(۱) سورۂ ابراہیم۔ آیت۔ ۳ (۲) سورۂ تین۔ آیت۔ ٦

ہم مغرور نہ ہو جائیں اس لئے اللہ فرماتا ہے کہ اس حرم کے کسی جاندار کو ختم نہ کیا جائے۔ کسی حیوان کو مارا نہ جائے۔ یہاں تک کہ چھوٹی سی چھوٹی جان کو ہلاک نہ کیا جائے۔ یہاں کی گھاس بھی نہ توڑو کہ اسکا بھی احترام لازم ہے۔

یہ علاقہ گویا حشر کا میدان ہے' کل جہاں ہم تم کو بلانے والے ہیں۔ ذرا دیکھو تو اس بیابان میں سبھی سفید لباس پہنے ہوئے ہیں۔ جیسے سب کو کفن میں لپیٹ دیا گیا ہو۔ میدان ان حشر میں بھی یہی کیفیت ہو گی۔ حدود حرم میں وہ ساری علامتیں موجود ہیں جو حشر کے میدان میں ہو نگی۔

احرام کی حالت میں اونچی آواز میں بات کرنا' برا بھلا کہنا اور جھوٹ بولنا منع ہے۔ ایسی ہر خلاف ورزی پر کفارہ دینا ہو گا۔ احرام باندھنے والے مردوں کو چھاؤں میں نہیں رہنا چاہیئے۔ وہ چھتری نہ استعمال کریں۔ البتہ بشرط ضرورت ہر جگہ اسکی اجازت ہے۔ اصل میں یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آپ لوگ خدا کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ سر پر پسند نہ کریں۔ سورج کی تپش کتنی ہی جُھلسا دینے والی کیوں نہ ہو' آپ یہی تصور کریں کہ خدا کے سائے میں ہیں۔

لبیک کہتے جایئے ۔ **لبیك اللّھمَّ لبیك ۔ لاَشریكَ لكَ لَبیك ۔ انَّ الحَمد والنَّعمة لك والمُلك لك لاشریكَ لكَ لبیك** " اے میرے محبوب میرے عزیز پروردگار' ہر تعریف' ہر نعمت تیرے لئے ہے تیری سلطنت میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ میرے محبوب' میرے عزیز لبیک۔ میرے محبوب اور عزیز کے خطاب سے انتہائی محبت و شفقت مراد ہے جس طرح تم اپنی اولاد کے پکارنے پر یا والدین کے پکار پر محبت بھری آواز میں جواب دیتے ہو۔

تمام مشکلوں سے گزرتے ہوئے لبیک کہتے جاؤ۔ جس قدر لبیک کہتے جاؤ گے بہتر ہے۔ لبیک کے لئے کوئی حد یا شمار نہیں۔ یہ اس وقت تک کہنا ہے جب تک خانہ کعبہ نظر نہ آئے ۔ خانہ کعبہ دکھتے ہی لبیک کہنا بند کر دیں۔ یوں تو صاحب خانہ ہر جگہ ہے لیکن ہم جسم رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اسکا گھر بھی غور سے دیکھیں ۔ بلکہ تمہیں تو اس انتہائی قرب کی حالت میں صاحب خانہ کو بھی دیکھنا چاہئیے ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ہمیں پوری توجہ کے ساتھ سننے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ مثنوی میں ایک حکایت ہے کہ ایک شخص کسی پر عاشق تھا اسکی تعریف میں ایک عاشقانہ قصیدہ بھی اس نے نظم کر دیا تھا ۔ ایک دن وہ معشوق کے پاس گیا اور اسے عاشقانہ قصیدہ سنانے لگا۔ معشوق نے اسکے ہاتھ سے کاغذ چھین کر اس کے ٹکڑے کر دئے اور کہا کہ تو نے اسے اس لئے تحریر کیا تھا کہ میرے پاس آئے۔ اب جبکہ تو میرے پاس آچکا ہے تو کچھ اور کہنے سننے کی ضرورت باقی ہے ؟

جیسے ہی خدا کے گھر پر آپکی نظر پڑی آپ نے اپنے محبوب کی موجودگی کو محسوس کیا۔ اب لبیک نہ کہنا چاہئیے۔ جبتک اس پر نظر نہیں پڑی تھی آپ لبیک کہتے رہے۔ جب اسے دیکھ لیا تو اب خاموشی لازم ہے۔ ناصر خسرو بھی قصیدے میں اپنے دوست سے پوچھتے ہیں " جب تم لبیک لبیک کہہ رہے تھے اس وقت صاحب خانہ کی آواز سنائی دی۔"؟ اس نے کہا نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس طرح (عقیدت کے بغیر لبیک کہنا بے معنی اور بے مطلب ہے۔

دوسرا مرحلہ طواف ہے اس میں سات چکر ہوتے ہیں اور ہر چکر " شوط

کہلاتا ہے۔ آپ طواف میں سات مرتبہ کعبے کے اطراف گھومتے ہیں سات کا عدد بجد مبارک ہے۔ اسکے بارے میں بہت سی باتیں ہیں۔ ہفتہ سات دن کا ہوتا ہے۔ آسمان سات ہیں۔ سلوک کے مرحلے بھی سات ہیں۔ دنیا کی تخلیق سات دن میں ہوئی ' وغیرہ وغیرہ۔ سات چکر اس طرح لگانے ہیں کہ آپ کا بایاں شانہ خانہ کعبہ کی طرف رہے۔ کعبے کی جانب پوری طرح رخ کرنا ہے۔ نہ پُشت۔ یہ طواف کے آداب اور احترام ہیں لہذا خیال رہے کہ کعبے کی طرف آپ کی پُشت نہ ہو۔ کعبے کی تعمیر پتھر اور مٹی سے ہوئی ہے۔ اس لئے اسکی طرف زیادہ متوجہ نہ ہوں۔ آپ کی پوری توجہ صاحب خانہ کی طرف ہونی چاہئیے۔

طواف حجر اسود سے شروع ہوتا ہے ' ہر چھوٹی سی چھوٹی چیز کی ایک ابتداء ہوتی ہے۔ طواف کی ابتداء اس پتھر سے کی جاتی ہے۔ جس طرح ہم سب کی زندگی اور تخلیق ایک جیسی ہے اسی طرح سنگ اسود سے طواف کی ابتداء ابھی ہماری زندگی کی واحد علامت ہے۔

طواف کے بعد مقام ابراہیم پر آتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہم کھڑے رہتے اور نماز پڑھتے تھے۔ خدا کا سب سے پہلا گھر یہی خانہ کعبہ ہے جو حضرت ابراہیم کے زمانے میں تعمیر ہوا تھا۔ البتہ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ خدا نے حضرت آدم کو یہ جگہ بتاتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ زمین مقدس ہے۔ بیت المقدس کعبے کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے زمانے میں تعمیر ہوا تھا۔ خانہ کعبہ کو اوّلیت حاصل ہے " **اِنَّ اَوَّل بَیتٍ وُضِعَ لِلنَاسِ لَلَّذی بِبَکَّةَ**

مُبارَکاً " وَھُدیً لِلعالَمینَ " (۱) "عبادت کرنے کے لئے سب سے پہلا گھر لوگوں کے لئے مکے میں تعمیر ہوا۔ لہذا اس گھر اور اس گھر کے بانی کے احترام کی خاطر وہاں کھڑے رہو اور وہاں دو رکعت نماز پڑھا کرو۔

اللہ خانہ کعبہ کے بارے میں ابراہیم اور اسماعیل سے فرماتا ہے۔ " طَھِّرَا بَیْتِی لِلطَّائِفِینَ وَالعاکِفِینَ وَالرُّکَّعِ السُّجودِ " (۲) " میرے گھر کو پاک صاف اور طاہر رکھو ان زائرین کے لئے جو اسکی زیارت کے لئے آتے ہیں اور اس میں اعتکاف کرتے ہیں۔" جب آپ وہاں دو رکعت نماز ادا کرینگے تو ایسا معلوم ہو گا حضرت ابراہیمؑ کی امامت میں نماز پڑھ رہے ہوں۔" قَدْ کانَتْ لَکُم اُسوَۃٌ حَسَنَۃٌ فی ابراہیمَ والَّذینَ مَعَہ " (۳) مومنین کے لئے حضرت ابراہیم کی پیروی کرنا ہمارے نزدیک بہت پسندیدہ ہے چونکہ ہم نے تمہارے لئے ابراہیم کو نمونہء عمل قرار دیا ہے۔

در حقیقت یہ ساری باتیں حاجیوں کو یہ یاد دلانے کے لئے ہیں کہ جب وہ حج کے اعمال ادا کر رہے ہوں اور لبیک کہہ رہے ہوں تو اسکے مفہوم کو پیش نظر رکھیں جو یہاں بیان کئے گئے ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہی معنی مکمل ہوں ۔ نہیں نہیں! اسکے ہزاروں معنی اور بھی ہیں۔ ایک مفہوم وہ ہے جو ہم سمجھ اور محسوس کر رہے ہیں یعنی وہی جو شعر میں کہے گئے ہیں۔ لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا وہی ایک مفہوم ہے۔ اس سلسلے کے جو احکام اور قوانین ہیں انکا مفہوم اور

(۱) سورۂ آل عمران۔ آیت۔ ۹۶ (۲) سورہ بقرہ آیت۔ ۱۲۵ (۳) سورۂ ممتحنہ۔ آیت۔ ۴

مطلب ظاہر کے خلاف نہ ہونا چاہئیے۔ مثلاً ایک حکایت ہے کہ ایک شیخ نے اپنے مرید سے کہا کہ وہ کام میں مشغول رہے اس نے کہا کہ آپ مجھے عالم ظاہر میں کام کرنے کے لئے کہتے ہیں جبکہ باطن میں فرماتے ہیں کہ بیکار رہو۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ۔باطنی مفہوم ظاہر کے خلاف نہ ہونا چاہئیے۔

آیئے حج کے اور اعمال پر نظر ڈالیں۔ میں نے طواف کے بارے میں آداب ملحوظ رکھنے کے لئے کہا تھا۔ محبوب کے گھر میں اشتیاق کے باوجود ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ کہتے ہیں کہ طواف کے دوران اگر رخ باربار ظاہری آداب کے خلاف ہو جائے تو طواف باطل ہو جاتا ہے۔

قصیدے میں ناصر خسرو نے اپنے دوست سے پوچھا تھا کہ کیا طواف کرتے وقت تمہیں یاد آیا کہ فرشتے بھی عرش کا طواف کرتے ہیں۔ ؟اس نے جواب دیا، نہیں۔

اللہ نے چوتھے آسمان پر خانہ کعبہ کا ایک نمونہ رکھا ہے۔ فرشتے اس کا اور خدا کے عرش کا طواف کرتے ہیں۔ یہ نکتہ ہمیں یاد دلانے کے لئے ہے جیسا کہ آج کی سوسائیٹی میں آپنے نے دیکھا ہو گا کہ اہم شخصیتوں کے آگے پیچھے اس طرح گھومتے ہیں جیسے اس پر فدا ہونے کو تیار ہوں۔

طواف ، بال کٹوانے اور عمرے کی تکمیل تک آپ دو مرتبہ محرم ہوتے ہیں اور حرکت کرتے ہیں ۔ یہاں کچھ سوال سامنے آتے ہیں کہ جب نیت اور ارادے سے محبوب کے یہاں آئے ہیں تو پھر واپس کیوں جاتے ہیں۔ ہم اپنی مرضی سے نہیں جاتے۔ بلکہ ہمیں حکم دیا جاتا ہے کہ آپ جائیں۔ اب عرفات کی طرف

روانگی ہے اگر دور جانے میں حکم کی تعمیل مقصود ہو تو یہ بھی ایک عبادت ہے۔ کعبہ محبوب کا گھر ہے جب آپ وہاں پہنچتے ہیں تو یقیناً قیام بھی کرنا چاہینگے مگر صاحب خانہ یعنی خدا حکم دیتا ہے کہ جاؤ! تو آخر جانا کہاں ہے۔ ؟ میدان عرفات کی طرف یعنی جب آپ بے خود ہو گئے محبوب کے جلوے میں کھو گئے۔ اس سے ملاقات ہو گئی تو گویا محبوب کے حکم کی تعمیل سے آپ نے عرفان حاصل کر لیا' عارف ہو گئے۔ عرفات کو اس لئے عرفات کہتے ہیں کہ جب آدم اور حوا کو زمین پر بھیجا گیا تو سب سے پہلے انہوں نے ایک دوسرے کو یہیں دیکھ کر پہچانا۔

یہ عرفان اور پہچان اس عرفان اور پہچان سے بالکل مختلف ہے جو آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ یہ پہچان مخصوص ہے قول ہے کہ جب آپ محبوب کے دیدار کے لئے گئے' اس سے آپ کی ملاقات ہو گئی' اب محبوب حکم دیتا ہے کہ "جاؤ" تو اس حکم کی تعمیل بھی اعمال میں شامل ہے۔ وہاں یہ پہچان ایک نشانہ اور راز ہے۔ یعنی اگر تم پہچاننا چاہتے ہو تو بیابان کی طرف جاؤ۔

یہاں میں ایک نکتے کی طرف اشارہ کرتا چلوں۔ بعض دفعہ تصوف اور عرفان کی بحث میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ دو مختلف چیزیں ہیں اور انکا باہمی مقابلہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان دونوں کا مطلب ایک ہوتے ہوئے بھی جدا جدا ہے۔ عرفان کے معنی پہچاننا ہیں۔ یوں تو ہر شخص خدا کو پہچانتا ہے' چاہے یہ پہچان مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لئے کسی کے بارے میں یہ قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ عرفان نہیں رکھتا ہر۔ شخص بے حد کم ہی سہی خدا کو پہچانتا ہے۔ مثلاً آپ جب کسی چیز کو بہت دور سے دیکھتے ہیں تو اسکی پہچان آپ کے لئے بہت مختصر ہوتی ہے۔ یعنی آپ کو بہت دور ایک

سیاہی نظر آتی ہے۔ دور سے آپکی پہچان بس اسی قدر ہوتی ہے۔ جیسے جیسے آپ اس کے قریب پہنچتے ہیں پہچان میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ کچھ اور آگے بڑھنے پر پتہ چلتا ہے کہ وہ سیاہی کھڑی لکیر ہے۔ اور آگے جانے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہل رہی ہے۔ کچھ اور قریب ہونے پر پتے بھی نظر آتے ہیں۔ کچھ اور آگے پہنچے تو معلوم ہوتا ہے ایک درخت ہے۔ جو ہوا سے حرکت کر رہا ہے۔ جب زیادہ قریب پہنچ گئے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ انگور یا سیب کا درخت ہے۔ اللہ کو پہچاننا اور عرفان بھی اسی طرح ہے۔ جتنا اُسکے قریب جاؤ گے اُسے اچھی طرح پہچانو گے۔ عرفات اسی عرفان کی علامت ہے۔

ہر چیز کو پہچاننے کے درجے ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک روشن چراغ ہے اگر آپ اسکے اردگرد کی چیزیں دیکھنا چاہینگے۔ تو اُسکے پہچاننے اور شناخت کے درجات یوں ہونگے۔ اگر چراغ آپ کے بے حد نزدیک ہے تو اسکی روشنی سے آپکی آنکھیں خیرہ ہو جائینگی اور کچھ نظر نہیں آئیگا۔ آپکے لئے ضروری ہوگا کہ اس سے کچھ دور ہو جائیں۔ دور ہوتے ہی آس پاس کی چیزیں نظر آنے لگینگی۔ دور ہونے کے بعد جب آپ دوبارہ اسکے قریب جائینگے تو پہلے سے بہتر ہر چیز کو پہچاننے لگینگے ابتدائی شناخت کے بعد جب آپ دوبارہ اپنے مقصود کے پاس پہنچینگے تو دیکھنے اور پہچاننے کی صلاحیت اور کامل ہو جائیگی۔

عرفات اسی پہچان کی ایک علامت اور جلوہ گاہ ہے آپ قریب ہو کر دور جاتے ہیں! اپنی مرضی سے نہیں! اگر اپنی مرضی سے یہ کام کرتے تو پھر اُس سے دور ہو جاتے۔ بلکہ آپ اپنے محبوب کے حکم سے دور جاتے ہیں اور دور سے دیکھ کر

اسے پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ دور ہونا بھی ایک قسم کی ملاقات ہے۔

ناصر خسرو قصیدے میں اپنے دوست سے پوچھتا ہے کہ کیا تم نے پہچانا۔؟

عہ۔ گفت نی گفتمش چو در عرفات + ایستادی ویافتی تقدیم

عہ۔ عارف حق شدی و منکر خویش + بہ تواز معرفت رسید نسیم

"جواب دیا' نہیں۔ میں نے پوچھا عرفات میں قیام کے دوران کیا تم نے خدا کا عرفان حاصل کیا۔؟ اور اپنے وجود سے انکار کیا۔؟

اب آپ مشعر الحرام تشریف لے جاتے ہیں۔ حرام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مکہ' عرفات اور منیٰ وغیرہ یہ سارا علاقہ حرم ہے۔ یہاں گھاس توڑنا' شکار کرنا اور خونریزی کرنا حرام ہے۔ حضرت حسینؑ کا وہ واقعہ یاد کیجئے جو کربلا کے عظیم سانحے سے پہلے پیش آیا۔ حرم کا احترام ملحوظ رکھنے کے لئے حضرت حرم سے باہر تشریف لے آئے۔ یہ بھی عرفان کی علامت ہے جیسے ہی آپ کی پہچان کامل ہو گئی آپ کو اپنا مقصود حاصل ہو گیا۔ مقصود کیا تھا۔؟ محبوب سے ملاقات اور اسکی صحیح پہچان۔ صرف محبوب سے وصال ایسے پروانے کی مثال ہے جو شمع کے شعلے کے درمیان گھر کر جل جاتا ہے۔ چونکہ اس پر بے خودی طاری ہے وہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ وصال کے ساتھ ساتھ محبوب کی شناخت بھی آپ حاصل کریں۔ یہ مراحل طئے کرنے کے بعد آپ جشن مناتے ہیں۔ یہ جشن تمام مرحلوں کو طئے کرنے پر حاجیوں کی جانب سے ایک قسم کی شکر گزاری کا اظہار ہے کہ انہوں نے کامیابی سے سارے اعمال پورے کر لئے۔ یہ مرحلہ اس قدر اہم اور دلوں کو متاثر کرنے والا ہوتا ہے کہ آپ وہاں جشن منانے لگتے ہیں۔ دنیا کے تمام

مسلمان اس لئے جشن مناتے ہیں کہ انکے بھائیوں نے مکے میں کامیابی سے حج ادا کر لیا اور وہ انشاء اللہ قبولیت کے ساتھ لوٹینگے۔ حضرت سجادؑ کا ارشاد ہے کہ جس حاجی نے مذکورہ بالا قبولیت کے ساتھ حج ادا کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔ آپ کا حج بھی اسی طرح مقبول ہو گا کیونکہ وصال کے ساتھ ساتھ آپ نے محبوب کا عرفان بھی اچھی طرح حاصل کر لیا۔ اتنی بڑی نعمت پانے کے بعد سنت ابراہیمی کی یاد میں اور بطور شکرانہ قربانی کرتے ہیں یہ اسی قربانی کی یاد میں کی جاتی ہے جبکہ اللہ کی طرف سے ایک بھیڑ حضرت اسماعیل کے بدلے ذبح ہوئی تھی۔

حضرت ابراہیم اور اسماعیل دراصل ایک جان اور دو تن تھے۔ اگر خدا کا حکم نہ ہوتا تو کیا ابراہیم بیٹے کو قربان کرنے کے لئے راضی ہو جاتے۔؟ نہیں بلکہ انکی خواہش یہی ہوتی کہ بھلے سے انکی جان چلی جائے مگر انکا بیٹا زندہ رہے۔ مگر اللہ کا حکم یہی تھا کہ وہ اپنے فرزند کو قربان کریں۔ محبوب کے حکم کے بعد یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ انسان دنیا کی ہر چیز سے اپنی محبت ختم کر دے یہاں تک کہ جان سے بھی زیادہ عزیز اولاد کو قربان کر دے۔ جب ابراہیم راضی ہو گئے اور اس امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کی تو اللہ نے اپنی طرف سے قربانی بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ فرزند کی قربانی کا حکم دراصل تیرا امتحان تھا۔ اسوقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہوئے اور اس مقام تک پہنچے جہاں انہیں پہنچنا چاہیئے تھا۔ اب ہم بھی یہی عمل کرنے' ایمان میں پختگی پیدا کرنے اور حضرت ابراہیم کی سنتوں کی پیروی کرنے جارہے ہیں۔ تاکہ خدا ہماری طرف نظر کرم کرے اور ہمارا ایمان بامعنی ہو جائے۔

قربانی ہو گئی اور آپ نے دوبارہ طواف بھی کر لیا جو اسی دن کرنا تھا تو در

حقیقت آپ نے اس بات پر آمادگی ظاہر کردی کہ آپ خدا کی راہ میں اپنی جان بھی قربان کر سکتے ہیں۔ اور اسی نیت سے آپ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اُس وقت انتہائی قرب کی حالت میں خدا کا حکم ہوتا ہے کہ اس سے باہر آجایئے۔ آپ کا احرام اتر گیا اور آپ پھر سے اسی دنیا کے آدمی بن گئے۔ اب آپ کو بزرگوں، اپنی قوم کے لوگوں، رشتے داروں، فقیروں، مسکینوں اور جو اسکے مستحق ہوں انہیں قربانی کا گوشت تقسیم کرنا ہے۔ کہتے ہیں کہ قربانی کے گوشت میں تین حصے ہوتے ہیں ایک اپنے لئے۔ ایک بزرگوں اور مومنوں کے لئے اور ایک انکے لئے، جو اسکے مستحق ہیں۔

اب ایک عمل اور باقی ہے اور وہ ہے شیطان کو اپنے سے دور بھگانا۔ شیطان ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ ہمیں دھوکہ دے۔ اسکا کام آدم کی اولاد کو پھانسنا ہے اور اسکے لئے خدا نے اُسے مہلت دی ہے۔ شکار بڑا اور اہم ہو تو شیطان بہت خوش ہوتا ہے۔ شیطان ابراہیم، محمد، موسیٰ اور عیسیٰ کا بھی پیچھا کر چکا ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ اگر انہیں فریب دینے میں وہ کامیاب ہو جاتا تو کس قدر خوش اور مسرور ہو جاتا۔ مگر آج تک وہ صرف ایک ہی بزرگ کو فریب دینے میں کامیاب رہا جسکا نام بلعم باعورا تھا۔

بلعم باعورا ایک ایسے بزرگ تھے۔ جنکی دعاؤں کو قبولیت کا شرف حاصل تھا۔ وہ پیغمبری کے درجے کے قریب قریب پہنچ گئے تھے۔ تورات میں ہے کہ خدا سے اُسے پیغمبری ملنے والی تھی۔ ہماری روایتوں میں ہے کہ اُس نے یہ موقع ضائع کر دیا۔ مگر تورات میں ضائع کرنے کا ذکر نہیں۔ شائد اس لئے کہ اسکا تعلق

بنی اسرائیل سے تھا۔ ہماری حدیثوں میں ہے کہ شیطان نے اسے فریب دیا۔ شیطان کا یہ سب سے بڑا شکار تھا۔ اسکے علاوہ وہ اور کسی اور بڑی ہستی کو شکار نہ کر سکا حالانکہ ہمیشہ اسکی کوشش یہی رہتی ہے کہ بڑی بڑی ہستیوں کو اپنے جال میں پھانسے۔ خدا کے بندوں میں جسے اونچا مقام حاصل ہوتا ہے شیطان اُسی کو گرانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

شیطان کو بھگانے کے لئے ضروری ہے کہ اُسے تین دن تک آپ کنکریوں کا نشانہ بنائیں۔ اسے رمی جمار کہتے ہیں۔ شیطان کو دور بھگانے کی نیت سے اسے سات کنکریاں مارنی ہیں۔ یہ کنکریاں آپ کو کہاں سے جمع کرنی ہیں۔؟ میدان مشعر یعنی آگاہی اور شعور کے میدان سے۔ یعنی پوری واقفیت اور شعور سے شیطان کا خاتمہ کرنا ہے۔ شیطان کمزور ہے اس لئے اللہ کا ارشاد ہے۔ " **اِنَّ کَیدَ الشَّیطانَ کانَ ضعیفاً** "(۱) جیسے ہی آپ مشعر کے میدان سے کنکریاں جمع کرتے ہیں وہ آپ سے ایک فندق ( ) دور ہو جاتا ہے لیکن پھر لوٹ آتا ہے تاکہ اسے سات کنکریاں مار کر بھگایا جائے وہ تین بار آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ تین جمرے (یعنی شیطان) حضرت ابراہیم کے واقعے کی ایک یادگار ہیں۔ حضرت ابراہیم نے قربانی سے پہلے شیطان کو شکست دی اور رسول، خلیل اور امام جیسے اونچے مقامات حاصل کئے۔ جیسے ہی ہم قربانی کے بعد دنیوی حالت میں آجاتے ہیں شیطان پھر ہمارا پیچھا کرتا ہے اور ہماری روح میں اترنے کی کوشش کرتا ہے۔ حالت

(۱) سورۂ نساء۔ آیت۔ ۷۶

احرام میں اعمال حج کی ادائیگی کے دوران شیطان ہم سے بہت کم سرور کار رکھتا ہے۔ مگر احرام اتارتے ہی تین دن تک برابر ہمارا تعاقب کرتا ہے۔

مکّے اور اعمال حج کے تمام آداب کی پابندی لازمی ہے۔ ناصر خسرو اپنے قصیدے کے آخر میں کہتا ہے۔

(۱) گفت ازیں باب ہر چہ گفتی تو + من ندانستہ ام صحیح و سقیم

(اس نے کہا، تم نے اس بارے میں جو کچھ دریافت کیا ہے میں اسکے بارے میں نہیں جانتا کہ صحیح کیا اور غلط کیا ہے)

(۲) گفتم ای دوست پس نکردی حج + نشدی در مقام محو مقیم

(میں نے کہا پھر اے دوست تم نے حج کیا ہی نہیں۔ اس مقام کی عظمت سے تم ناواقف رہے)

(۳) رفتہ ای مکّہ دیدہ آمدہ باز + محنت بادیہ خریدہ بسیم

(مکّے کا سفر اور وہاں سے تمہارا لوٹ کر آنا بیکار گیا۔ مفت میں سفر کی مشکلیں برداشت کیں اور پیسہ ضائع کیا۔

(۴) گر تو خواہی کہ حج کنی پس ازین + ایں چنین کن کہ کردمت تعلیم

(اگر تمہیں کبھی دوبارہ حج کے لئے جانا ہو تو میں نے جس طرح تمہیں سکھایا ہے۔ اس پر عمل کرنا)

حج کے بارے میں کئی کتابیں ہیں (۱) مگر اس سلسلے میں جو عرفانی دید ناصر

(۱) ایک رسالہ ڈاکٹر شریعتی کا بھی ہے جسے وزارت ارشاد نے شائع کیا ہے اس میں اعمال حج کی تفصیلات ہیں۔

خسرو کو حاصل تھی ان میں کہاں۔ ہماری بھی کوشش یہی ہونی چاہئیے کہ ہم بھی ناصر خسرو کی طرح حج کا عرفان حاصل کریں مگر یہ انکا ہی حصہ تھا دوسروں کو ایسا تجربہ بہت کم ہوتا ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ جن لوگوں نے خدا کے گھر کی زیارت کا ارادہ کر لیا ہے۔ وہ انشاء اللہ سفر حج کی سعادت اسی طرح حاصل کر لینگے جس کی تعلیم ناصر خسرو نے دی تھی کہ ؎ این چنین کن کہ کردمت تعلیم۔

☆☆☆

عید قربان

دنیا بھر کے مسلمان اس عید میں شریک ہیں اللہ کرے کہ یہ عید مسلمانوں میں آپسی محبت پیدا کردے۔ گو اس عید میں زیادہ تر حصہ ان کا ہے جو اس سلسلے میں پیغمبر کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ عید سبھی مسلمانوں کے لئے ہے۔ نماز عید کی دعائے قنوت میں ہے کہ " **بِحَقِّ هذا اليومِ الّذى جَعَلْتَهُ لِلْمُسلِمينَ عيداً** " " آج کے دن کے حق میں جسے اللہ نے مسلمانوں کے لئے عید قرار دیا"

اللہ حضرت موسیٰ کے بارے میں فرماتا ہے "وذکرھم بایام اللہ"(۱) کہ " وہ ایام اللہ کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ " **ایّام اللّٰه** "(یعنی اللہ کے دن) دو دن ہیں ایک عید الفطر اور دوسری عید قربان۔ ان دونوں کا تعلق عبادت سے ہے جس طرح نماز روزہ وغیرہ واجب ہیں۔ ان دونوں کے خاص احکام ہیں۔ دونوں دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ عید کے دن مسلمانوں کو مبارکباد دینا اور آپسی میل محبت کا اظہار کرنے کا حکم بھی ہے۔

اسے "عید قربان" کیوں کہتے ہیں۔ ؟ قربان یعنی قربانی کرنا۔ یہ لفظ "قُرب" سے نکلا ہے۔ یعنی قربانی کا مقصد خدا کا قُرب حاصل کرنا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم کی سنّت ہے اسکے علاوہ عہد قدیم میں قربانی کی رسم رہی ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اپنی

(۱) سورہ ابراہیم۔ آیت۔ ۵

اولاد کی قربانی بھی دیا کرتے تھے مگر خدا نے اُس دن سے انسانی قربانی کی ممانعت کر دی جس دن حضرت اسماعیل کے بدلے بھیڑ کی قربانی دی گئی تھی۔(۱)

انسانی فطرت میں شیطانیت ' حیوانیت اور فرشتہ پن ہر خصوصیت پائی جاتی ہے حیوانوں میں لڑائی جھگڑے کی جو خصلت ہے وہ انسانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ جنگ جہاد یا پھر مخصوص شرعی احکام سے نمایاں ہے۔ جس خدا نے انسان میں یہ صفت پیدا کی ہے وہ اس پر نظر رکھتا ہے۔ شائد اگر کوئی شخص سال میں ایک بار قربانی کرے تو یہ خصلت دور ہو جائے۔

خدا نے جو عید کا دن مقرر کیا ہے تو اس لئے کہ ہم اسے عید سمجھیں۔

عید کا لفظ "عود" سے نکلا ہے۔ جسکے معنی لوٹ جانا ہے۔ اللہ کی طرف لوٹ جانا۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ عید کا دن نیا لباس پہن کر جشن منانے کے لئے نہیں بلکہ عید وہ موقعہ ہے جب کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ خدا کی پیدا کی ہوئی آفتوں سے نجات حاصل کرے۔ عید کا دوسرا مطلب یا پہلو یہ ہے جیسا کہ خدا پیغمبر سے حضرت ابراہیم کے بارے میں فرماتا ہے کہ "**مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ**"(۲) اس آیت میں خدا نے حضرت ابراہیم کو ہم سب کا باپ قرار دیا ہے۔ اس طرح وہ ہمارے پیغمبر کے نسبی والد ہونے کے علاوہ ہم سب کے باپ بھی ہیں۔ پھر خدا فرماتا ہے۔ "**هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْل**" انہوں نے ہی سب سے پہلے تمہیں مسلمان کا نام دیا۔ "مسلم" کا مفہوم ہے اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینے والا۔

(۱) بنی اسرائیل نے خدا کا یہ حکم نہ مانا۔ انکی نافرمانیوں میں سے یہ بھی ایک تھی۔
(۲) سورۂ حج۔ آیت۔ ۷۸

خداجب یہی لقب اس پیغمبر کے لئے استعمال کرتا ہے جو ہم سب کے والد ہیں تو یقیناً یہ بات ہمارے لئے نہایت فخر اور شادمانی کا باعث ہے۔ جب یہ دینی مرتبہ کسی کو ملتا ہے تو سب لوگ جاکر اسے مبارکباد دیتے ہیں اور جسے یہ مقام حاصل ہوتا ہے وہ بھی خوش ہو جاتا ہے۔ لہذا عید کے دن کے ایک پہلو یہ بھی ہے۔ اسی دن حضرت ابراہیم کو نبوت کا سب سے بلند مقام عطا کیا گیا تھا۔ نبوت کے چار درجے یا مرحلے ہیں، پہلے خواب میں فرشتہ کی زبانی وحی سننا۔ دوسرے میں آواز سنائی دیتی ہے تیسرے میں فرشتہ بات کرتا ہے چوتھے میں فرشتہ سامنے ظاہر ہو کر بات کرتا ہے۔ ہمارے پیغمبر پر جبریل اپنی اصل شکل میں نازل ہوتے تھے اور پیغمبر انہیں دیکھتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے لئے آخری امتحان یہ تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دیں۔

حضرت ابراہیم کی اہلیہ سارہ بوڑھی ہو چکی تھیں، پہلے سے بانجھ بھی تھیں اس لئے وہ ماں نہیں بن سکتی تھیں۔ حضرت کو ہاجرہ سے صرف ایک بیٹا تھا اور وہ بھی چھیاسی (۸۶) سال کی عمر میں پیدا ہوا تھا۔ تورات کے علاوہ ہماری روایت میں بھی یہی ہے کہ خدا نے انہیں چھیاسی سال کی عمر میں بیٹا عطا فرمایا۔ اس اکلوتے بیٹے کے بارے میں خدا کا حکم ہوتا ہے کہ اسے قربان کر دیں۔ یہ بڑا سخت امتحان تھا جس میں حضرت کامیاب رہے۔ اسماعیل نے بھی اس امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ حضرت ابراہیم نے جب اپنے بیٹے کو اللہ کے حکم سے آگاہ کیا تو اس نے

جواب دیا " **یا ابت افعل ماتومرستجدنی انشاء الله من الصابرین** "(۱)

"ابا جان آپ کو جو حکم دیا گیا ہے۔ اس پر عمل کریں انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائینگے۔"

اسکے بعد اسماعیل نے اپنے والد سے کہا کہ ذبح کرتے وقت وہ اسکا چہرہ نہ دیکھیں۔ حضرت ابراہیم نے بھی سوچا کہ کہیں بیٹے کی محبت سے دل میں شک اور حکم کی تعمیل میں پس و پیش کی کیفیت نہ پیدا ہو جائے چنانچہ انہوں نے اسماعیل کو خاک پر اوندھے منہ لٹا دیا تاکہ اسکی صورت نظر نہ آئے اس سارے قصے سے آپ واقف ہیں اتنے میں جبریل اس پیغام کے ساتھ نازل ہوتے ہیں کہ "وفدنیاہ بذبح عظیم "(۲) ذبح عظیم سے کوئی موئی تازی بھیڑ یا بچھڑا مراد نہ تھا۔ یہاں معنوی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اس امتحان کی اتنی بڑی عظمت اللہ کی نگاہوں میں تھی کہ اسے ذبح عظیم سے تعبیر کیا۔ بارگاہ الٰہی میں یہ حضرت ابراہیم کی آخری آزمائش تھی جسکے نتیجے میں وہ رسول خلیل اور امام کے مرتبے کو پہنچے۔ امام یعنی لوگوں کا پیشوا (رہنما)۔ خلیل یعنی خدا کا دوست۔ آج عید اور جشن منانے کا ایک سبب اور بھی ہے کہ اسی دن ہم سب کے دادا حضرت ابراہیم نے آخری امتحان میں بھی نہایت شاندار کامیابی حاصل کی تھی۔ انہوں نے کئی امتحانوں کا سامنا کیا اور سب میں سرخرو ہو کر بلند مقامات حاصل کرتے چلے گئے۔ ان کے فرزند اسماعیل نے بھی کم عمری میں اتنا بڑا امتحان دے کر کامیابی حاصل کی اور اپنے والد سے کہا " **یا اَبَتِ**

(۱) سورۂ صافات۔ آیت۔ ۱۰۲

(۲) سورۂ صافات۔ آیت۔ ۱۰۷۔ اور ذبح عظیم دے کر ہم نے اسکا فدیہ ادا کیا۔

افْعَلْ ماتُؤمَرُ سَتَجِدُنی اِنْ شاءَ اللّهُ مِنَ الصَّابرِینَ ''

اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ حضرت اسماعیل کے ساتھ پیش آیا ' یا اسحاق کے ساتھ۔ حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے۔ اسماعیل جب تیرہ سال کے ہوئے تب اسحاق پیدا ہوئے۔ اسماعیل ہاجرہ کے بیٹے تھے جو کنیز تھی اور اسحاق حضرت ابراہیم کی نکاحی بیوی سارہ کے فرزند تھے۔ تورات اسحاق کو ذبیح اللہ بتاتی ہے جبکہ اس میں تحریر ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کرے۔ پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ بیٹا اسحاق تھا حالانکہ اسحاق کی پیدائش تک اسماعیل تیرہ سال کے ہو چکے تھے۔ تورات میں ہے کہ جب سارہ نے دیکھا کہ وہ ماں نہیں بن سکتی اور ابراہیم بہت غصے والے ہیں تو اس نے انکا نکاح اپنی کنیز سے کر دیا۔ یعنی اسے آزاد کر کے اسکی شادی ابراہیم سے کر دی۔ تورات میں ہے کہ ابراہیم سے شادی کر دی۔ یہ نہیں لکھا ہے کہ کنیز بخش دی ' لہذا اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کنیز بخش دی یا اسے آزاد کر دیا۔ بہر حال حضرت ابراہیم نے اس سے شادی کی اور اس سے اسماعیل پیدا ہوئے اسی بناء پر ہاجرہ کو تھوڑا غرور ہو گیا تھا اور وہ سارہ سے جو اللہ کی نظر میں محبوب تھی جھگڑا کرنے لگی تھی۔ جب سارہ کو تکلیف محسوس ہوئی تو اللہ نے حضرت ابراہیم سے فرمایا کہ وہ اپنی بیوی اور بچے کو لے کر دور چلے جائیں اس سارے واقعے سے آپ واقف ہیں۔

اس زمانے میں یہودی نکاحی بیویوں کو اہمیت دیتے تھے۔ کنیز اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کو نہیں۔ اسی بناء پر وہ اسماعیل کو حضرت ابراہیم کا حقیقی بیٹا نہیں مانتے تھے اور جب اللہ نے حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کرو تو اس سے مراد

اسحاق تھے۔ حالانکہ جس وقت یہ حکم ہوا تھا اس وقت یا تو اسحاق پیدا ہی نہیں ہوئے تھے یا اگر ہوئے بھی تھے تو بہت چھوٹے تھے بھلا بتائیے! کہ چند ماہ کے بچے کی قربانی زیادہ سخت تھی یا تیرہ سالہ اسماعیل جیسے ہونہار فرزند کی۔؟

اسکے علاوہ تورات میں ہے کہ سارہ نے ہاجرہ کی شادی حضرت ابراہیم سے کر دی۔ بالغرض اگر ان کا یہ قول درست ہے کہ اسماعیل کنیز کے بیٹے تھے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ حضرت ابراہیم کے نکاح میں آنے کے بعد وہ کنیز نہیں رہی۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسماعیل کنیز کے بیٹے تھے۔ کیونکہ تورات کے مطابق ہاجرہ کی ابراہیم سے باقاعدہ شادی ہوئی تھی اسکے علاوہ خدا تورات میں حضرت ابراہیم سے فرماتا ہے کہ۔"اس (اسماعیل) سے تیری اولاد اور نسل میں بے حد اضافہ کر دونگا۔" اس کے بعد خدا نے اسماعیل کی تائید کی اور کہا کہ تیری نسل میں بے حد اضافہ کر دونگا۔ اسمیں بارہ سلطان یا بارہ امیر پیدا کرونگا۔ تورات میں اسکے بعد اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے ناموں کا ذکر ہے۔ مگر تاریخ میں یہ نام نہیں ملتے۔ اس بات کا قوی احتمال ہے اور قرائن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد ہمارے بارہ امام ہیں جو اسماعیل کی نسل سے ہیں۔ یہ تو تھا تورات کا بیان مگر کچھ اہل سنت بھی اسحاق کو ذبیح اللہ کہتے ہیں۔ یہ کوئی شیعہ سنی مسلک کا مسئلہ نہیں بلکہ تاریخی مسئلہ ہے۔ ایک مورخ اسماعیل کو ذبیح اور دوسرا اسحاق کو ذبیح قرار دیتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شیعہ یہ کہے کہ اسحاق ذبیح ہیں اور سنی کہے کہ نہیں اسماعیل ہیں۔ اس بحث کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں مسلمان مورخین پر حیرت ضرور ہوتی ہے جب وہ تورات اور یہودیوں کی طرح استدلال کرتے ہیں۔ اسلام اور قرآن میں

ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ اسماعیل ذبیح اللہ تھے ۔ سورہٴ صافات میں اللہ نے ایک ایک نبی کا نام لیتے ہوئے انہیں سلام بھیجا ہے "**سَلام" علی نوحٍ سلام" عَلی موسی وہارون** "آخر میں ارشاد ہو تا ہے **سلام" عَلی آل یاسینَ**۔اسی سورہ میں حضرت ابراہیم ' انکے خواب اور ذبیح اللہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم بیٹے کو لے کر قربانی کے لئے نکلتے ہیں ۔ اسکے بعد " **وفَدَیناهُ بِذبحٍ عَظیمٍ** ۔ " کا تذکرہ ہے۔آخر میں اللہ کا ارشاد ہے ۔" **سلام" عَلیٰ اِبراهیمَ ---- اِنَّهُ مِنْ عِبادِنا المومنینَ**"(۱) پھر ارشاد ہوتا ہے۔وبشرناہ باسحٰق(۲) اس طرح حضرت ابراہیم 'اسماعیل اور قربانی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اسحاق کا ذکر آتا ہے ۔اگر یہ عبارت " **وبَشَّرناهُ باسحٰقَ"سلام"عَلی ابراهیمَ --- اِنَّهُ مِن عِبادِناالمومنینَ** "(۳) جو پیغمبروں کے تذکرے کے بعد آئی ہے 'اس سے پہلے آتی تو ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ اسحاق ذبیح ہیں مگر اسحاق کا نام حضرت ابراہیم کے تذکرے اور اسماعیل کی قربانی کے بعد آتا ہے۔اسی بناء پر اسحاق کو ذبح نہیں کیا جاسکتا مسلمان اگر قرآن کی ظاہری عبارت پر ہی غور کر لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ذبیح حضرت اسماعیل تھے۔

بہر حال اس عید اور جشن میں چند نکتے ہیں پہلی بات یہ کہ خود خدا نے اسے عید قرار دیا ہے" **بِحَقِّ هَذا الیوم الّذی جَعَلْتَهُ لِلمُسلمینَ**

(۱) سلام ابراہیم پر وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ سورہٴ صافات۔آیت۔۱۰۹اور ۱۱۱
(۲) اسے ہم نے اسحاق کی بشارت دی۔ سورہٴ صافات۔آیت۔۱۱۲
(۳) سورہ صافات۔آیات ۱۰۹ ' ۱۱۱ اور ۱۱۲

عیداً "یہ دن ہو یا کوئی اور دن۔اللہ جسے عید قرار دیدے وہ ہمارے لئے عید کا دن ہے۔جس طرح سے اللہ نے "عرفہ "کا نام دے کر حج کے تین دن قرار دئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ دن ہمیں حضرت ابراہیم کے آخری امتحان کی یاد دلاتا ہے جس میں کامیاب ہو کر انہوں نے رسالت کا بلند ترین مقام حاصل کیا۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ آج مکے میں موجود تمام مسلمان (ہو سکتا ہے کچھ لوگوں نے کل ہی جشن منالیا ہو (اس اہم عبادت کی ادائیگی میں کامیاب رہے ہیں جس سے مسلمانوں کے درمیان آپسی میل محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔(۱) اسلئے ہم بھی اپنے محترم والد ابراہیم کی امتحان الٰہی میں شاندار کامیابی پر جشن مناتے ہیں اور جو حج پر گئے ہیں ان مسلمانوں کی کامیابی پر بھی جشن مناتے ہیں۔ قربانی ان لوگوں پر واجب ہے جو اسے منیٰ میں انجام دیتے ہیں۔اسکے بعد یہ واجب نہیں ہاں مستحب ضرور ہے اگر وہ اس عید کی یاد اور سفر حج کی توفیق حاصل کرنے کی خوشی میں پھر قربانی کریں تو بہتر ہے۔اللہ نے چاہا تو اس عبادت کی توفیق ہم سب کو حاصل ہو گی۔

☆☆☆

(۱) مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کیونکہ ایک دانشمند سے یہ بات سنی تھی کتاب میں نہیں دیکھی تھی انہوں نے حضرت صادق یاباقرؑ سے یہ روایت بیان کی تھی کہ دوران حج ضروری ہے کہ خانہ کعبہ میں لوگ بکثرت آئیں۔ تو جس سال تعداد کم ہو بیت المال سے لوگوں کو سفر خرچ دے کر بلایا

(پچھلے صفحے کے حاشیے کا سلسلہ)

جائے۔ ایک مدت تک عربوں کی ظاہری صورت حال کی بناء پر غالبًا مسلمانوں میں یہ تصور پیدا ہو گیا تھا کہ حاجیوں کے آنے سے عربوں کی روزی چلتی ہے۔ یا کچھ لوگوں کے ذہن میں مسلمانوں کے بارے میں ایسے پست خیالات جو توہین سے کم نہ تھے پیدا ہو گئے تھے۔ پیغمبر اسلام کو غیرت اور اس چاہت کی بناء پر جو انہیں مکے سے تھی یہ بات پسند نہیں آئی کہ مکے والوں کی حُرمت کے بارے میں یہ خدشہ بھی کسی کے ذہن میں آئے۔ چنانچہ خدا جو اس سے پہلے بھی حضور کی اس تمنا کو کہ خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیدیا جائے "**قَدنَرىٰ تَقلّبَ وَجھِكَ فی السّماء فَلَنُولینّكَ قبلَةَ تَرضیھا**" (سورہ بقرہ آیت۔ ۱۴۴) پوری کر چکا تھا۔ اس نے حضور کی غیرت اور مکے سے محبت کو دیکھتے ہوئے عربستان کو تیل کی دولت سے مالا مال کر دیا جو کالا سونا ہے۔ زراعت میں بھی اتنی برکت پیدا کر دی کہ لوگوں کی ضرورتیں پوری ہونے کے بعد زرعی پیداوار باہر جانے لگی انشاء اللہ وہاں کے لوگ اس نعمت کی قدر اور خدا کے گھر کی عزت دل سے کرتے رہینگے اور ایسے اقدامات عمل میں لائینگے جس سے مسلمانوں کے درمیان میل محبت برقرار رہے۔